کتاب نما

جلد ۳ | مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی | نمبر ۶

روسو کی کتاب "سوشل کنٹریکٹ" کا اردو ترجمہ

معاہدۂ عمرانی

از

جناب ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جدھر دیکھو وہ پابزنجیر ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ روسو اپنی کتاب معاہدۂ عمرانی شروع کرتا ہے۔ آزادی، مساوات، حکومت جمہور ایسے تخیلات ہیں جن سے دنیا روسو سے پہلے آشنا نہ ہو، روسو کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان مضامین کا حق ثابت کیا اور کسی چیز کو خیرات کے طور پر مانگنے اور حق کے طور پر طلب کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

روسو کو فرانسیسی انقلاب کا "روحانی باپ" کہا جاتا ہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہ انقلاب نتیجہ تھا محض روسو یا دوسرے فلسفیوں کے سیاسی نظریوں کا تو اس میں بلاشبہ مبالغے کو دخل ہے۔ اس طرح کے انقلاب کتابوں کے ذریعہ رونما نہیں ہوا کرتے، وہ نتیجہ ہوتے ہیں حقیقی آلام و مصائب کا۔ اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ فرانس میں انقلاب سے پہلے معاشی اعتبار سے جمہور انتہائی افلاس اور سیاسی اعتبار سے بدترین غلامی کا شکار تھے۔ البتہ روسو نے اپنے عہد کی نبض کو خوب پہچانا، جو کچھ لوگوں کے دلوں میں تھا وہ روسو کی زبان قلم پر آیا۔ قوم اپنے آپ کو بے بس خیال کرتی تھی، روسو نے اُسے یقین دلایا کہ وہ تو خود تمام تر دنیاوی اقتدار کا منبع ہے۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ روسو کی تصنیف معاہدۂ عمرانی "فرانسیسی انقلاب کے علمبرداروں کے لئے آسمانی کتاب" بنی اور انہوں نے حقوق انسانی کے تخیل کو فرانسیسی بادشاہت مطلقہ اور نظام جاگیرداری کا قلع قمع کرنے میں اصول مدد لی۔

روسو زندگی اور سوسائٹی کو مظلوم، کمزور اور فاقہ کش انسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سیاسی عدم مساوات ہی نہیں، معاشرتی عدم مساوات بھی اس کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ اس کے نزدیک ایک بڑا جاگیردار جو لوگوں کا پیٹ کاٹ کر انہیں مفلس بنا سکتا ہے اسی قدر قابل نفرین ہے جس قدر ایک مطلق العنان بادشاہ جو ان کے گلے میں غلامی کا طوق ڈالے۔

روسو جن حالات اور جس گرد و پیش میں پیدا ہوا اور جن جن مصیبتوں اور شدید ناکامیوں سے اُسے اپنی زندگی میں بچپن ہی سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کا پورا پورا عکس اس کے خیالات میں نظر آتا ہے۔

معاہدۂ عمرانی کے مقدمہ میں مترجم نے روسو کے بڑے دلچسپ حالات زندگی ایک خاص خوبی سے پیش کئے ہیں۔ باپ کا حد سے زیادہ آزادی پسند اور طبیعت کا جھگڑالو ہونا، عین عہد طفلی میں ماں کا انتقال کر جانا، روسو کا سات آٹھ سال کی عمر میں باپ کے ساتھ کتابیں پڑھنے اور بحث کرنے کا شوق ہونا۔ دسویں سال میں دنیائے فطرت سے دلی لگاؤ پیدا ہونا، گیارھویں سال میں حالات سے تنگ آکر ملازمت کرنا مگر جذبۂ آزادی سے مجبور ہو کر ایک نئی دنیا کی تلاش میں نکلنا۔ نوعمری میں اپنے مالک کے یہاں چوری کرنا۔ مادام وارین اور دوسری عورتوں سے عشق کرنا اور ناکامی کا منہ دیکھنا۔ پیرس کے دوران قیام میں علمی اور ادبی خدمات انجام دینا، ۱۷۶۲ء میں حکومت کی طرف سے اس کی کتب ایمیل اور معاہدۂ عمرانی کو نذر آتش کرنے اور اس کی گرفتاری کا حکم نافذ ہونا، اس کا فرار ہو جانا ایسے واقعات ہیں جو مختصر سی داستان ہیں اس غیر معمولی شخص کی زندگی کی جس کے تخیلات اخلاق اور مذہب کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے والے مگر جس کی زندگی گھٹی اور جس کی سیرت ناقابل اعتبار تھی لیکن اگر جان بوجھ کر ان حالات کو نظر انداز نہ کیا جائے جنہوں نے روسو کے بگاڑنے میں تو بہت مدد دی اور سنوارنے میں ذرا بھی نہیں، تو روسو اس کا مستحق نہ معلوم ہوگا کہ اُسے برا کہا جائے۔ اس پر ترس کھانے کو جی چاہے گا۔

معاہدۂ عمرانی کو سیاسیات کے مطالعے کیلئے بالکل وہی حیثیت حاصل ہے جو افلاطون کی شہرۂ آفاق کتاب "ریاست" کو، اور اس کا مطالعہ علم السیاسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے، مگر چونکہ یہ کتاب انگریزی اور فرانسیسی زبان ہی میں تھی اس لئے ہندوستان کا اردو خواں طبقہ محروم تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مکتبہ نے اس کا اردو ترجمہ معاہدۂ عمرانی کے نام سے شائع کر کے اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔

ترجمے کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ جناب مترجم انگریزی زبان میں مہارت کے ساتھ ساتھ اردو پر بھی کافی عبور رکھتے ہیں، جو ترجمے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ آپ نے ترجمہ کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ کتاب ترجمہ نہیں بلکہ تصنیف معلوم ہوتی ہے، اور یہی ترجمے کی اصل خوبی ہے۔

اصطلاحات کی وجہ سے پڑھنے میں زیادہ دشواری ضرور ہوتی ہے، مگر اس دشواری کا حل بھی کر دیا گیا ہے۔ آخر میں ایک فرہنگ اصطلاحات بڑھا دی گئی ہے جس سے یہ دشواری بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے۔

غرض ترجمہ زبان، طرز ادا اور سلاست بیان، ہر حیثیت سے کامیاب ہے۔

اعلان

۱- کتاب نما مصنفین اور ناشرین کا اخبار ہے
۲- ہر ماہ کی ۱۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
۳- سالانہ قیمت صرف آٹھ آنہ (۸ر) ہے

کتاب نما

لاہور میں مکتبہ جامعہ کی شاخ

کسی اشاعت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مکتبہ جامعہ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی شاخیں دوسرے مقامات میں بھی قائم کی جائیں۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے مطابق اس نے چند اچھے شہروں کے حالات سے واقفیت حاصل کی۔ ان میں سے کئی میں شاخیں قائم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی مکتبہ پنجاب ہے جو انشاء اللہ ۱۵ جولائی سے مکتبہ جامعہ کی ایک شاخ ہو جائے گا۔

ناظرین کو علم ہوگا کہ اب تک مکتبہ پنجاب جامعہ کے ایک قدیم طالب علم اور موجودہ پروفیسر جناب محمد سرور صاحب بی۔ اے جامعہ کی نگرانی میں چلتا تھا۔ میری کہانی اور دوسری کتابیں جو مکتبہ کی طرف سے اسی زمانے میں شائع ہوئیں۔ انہیں ارباب ذوق تک پہنچانے میں محمد سرور صاحب نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ وہ علم دوست نوجوان ہیں اور ان کی یہی خصوصیت مکتبہ پنجاب کی کامیابی کا باعث تھی۔ موصوف نے جس خوبی اور جوش سے اس کا اہتمام کیا وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکتبہ پنجاب خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہے۔ اب مکتبہ پنجاب کی خدمت سے جناب محمد سرور صاحب سبکدوش ہو رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ مکتبہ پنجاب ایک مخلص اور سرگرم کارکن کی خدمات سے محروم ہو رہا ہے اور اب مکتبہ پنجاب کا اہتمام براہ راست مکتبہ جامعہ کے ماتحت آ جائے گا اور اس کی حیثیت مکتبہ جامعہ کی ایک شاخ کی ہو جائے گی۔ جناب سرور صاحب کے ہم ممنون ہیں کہ انہوں نے مکتبے کی خدمت جب تک کی خلوص اور تندہی سے کی اور اسے اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی جگہ پر خود ایک ادارے کی شکل میں آ گیا۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے اپنی انتہائی کوشش سے ترقی دے کر اس لائق کر دیں کہ وہ حقیقی معنوں میں مکتبہ جامعہ کی شاخ کہلائے جانے کا مستحق ہو جائے۔

مکتبہ جامعہ کے دو نوعمر کارکن

ہمیں ایک گونہ خوشی ہوتی ہے جب ہم مکتبہ جامعہ کی آج کل کی حالت کا مقابلہ اس ابتدائی دور سے کرتے ہیں جبکہ یہاں کام کرنے والوں کی تعداد صرف دو تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ مکتبہ اپنی ان تھک کوششوں سے تدریجی ترقی کر کے اس مرتبہ پر پہنچ گیا ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم میں چند ایسے لوگ بھی ہونے چاہئیں جو کاروبار کو مناسب اور بہتر طریقے سے چلا سکیں۔ چنانچہ اسی خیال کے ماتحت مکتبہ نے اپنے ایک نوعمر کارکن جناب محمد طیب صاحب بی۔ اے (جامعہ) کو ان کے کام کی عمدگی سے متاثر ہو کر انہیں حسابات، خط و کتابت اور فن اشتہار بازی سیکھنے کے لئے بمبئی بھیجا ہے۔ ہمیں موصوف سے بہت کچھ توقعات ہیں اور امید ہے کہ وہ اپنے فن کی تکمیل کے بعد مکتبہ جامعہ کی زیادہ اچھے طریقے سے خدمت کر سکیں گے۔

دوسرے نئے کارکن جناب برکت علی صاحب بی۔ اے (جامعہ) ہیں۔ انہوں نے امسال جامعہ سے سند حاصل کی ہے۔ آپ کو تصنیف و تالیف سے بہت دلچسپی ہے۔ چنانچہ سند حاصل کرتے ہی اس شوق کی تکمیل کے لئے مکتبہ میں آنا منظور کر لیا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اردو اکیڈمی کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لیں گے اور مکتبہ جامعہ کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

سلسلہ منتخبات نظم اردو

کچھ دنوں سے نامعلوم کن وجوہات سے مسلم یونیورسٹی بک ڈپو اور یونیورسٹی پریس دونوں کے انتظامات میں تبدیلیوں کے باعث اکثر مصنفین نے اپنی کتابیں کسی دوسرے تجارتی ادارے کے سپرد کر دی ہیں اور کچھ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ جناب پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی نے اپنا سلسلہ منتخبات نظم اردو جو اب تک وہیں سے شائع ہوتا تھا [illegible] مکتبہ جامعہ کو دے دیا۔

موصوف کی کتب جذبات فطرت، مناظر قدرت اور معارف ملت کے جو حصص اب نایاب ہیں مکتبہ جلد سے جلد شائع کر کے ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کریگا۔ اس وقت ہمارے پاس جذبات فطرت کے چاروں حصص، مناظر قدرت کے صرف تین حصص یعنی پہلا، تیسرا اور چوتھا اور معارف ملت کے حصص موجود ہیں جو حضرات انہیں خریدنا چاہیں جلد منگا لیں ورنہ دوسری اشاعت کا انتظار کرنا ہوگا۔

ہمیں اس کی بھی خوشی ہے کہ جلیل احمد صاحب قدوائی اور سید سجاد حیدر صاحب یلدرم جیسے مشہور مصنفین نے اپنی بلند پایہ تصانیف بھی مکتبہ ہی کو دینا منظور فرمائی ہیں۔ ہمیں امید قوی ہے کہ وہ عنقریب مل جائیں گی اور ہم انہیں بہتر شکل میں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر سکیں گے۔

مکتبہ جامعہ کی نئی کتابیں

کتاب نما کی کسی اشاعت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مکتبہ جامعہ کے شروع سے یہ پیش نظر رہا ہے کہ بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے لئے بھی ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو ان کے لئے مفید بھی ہوں اور دلچسپ بھی۔ چنانچہ ہم نے حال میں جہاں بڑوں کے لئے کتابیں چھاپی ہیں وہاں بچوں کی ضرورت کا بھی خیال رکھا ہے۔ ان تازہ مطبوعات کی فہرست درج ذیل ہے:-

معاہدہ عمرانی:- روسو کی شہرۂ آفاق تصنیف Social contract کا اردو ترجمہ۔ معاہدہ عمرانی کی ابتداء روسو ان الفاظ سے کرتا ہے۔ "انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جدھر دیکھو وہ پابزنجیر" مجلد مع گرد پوش۔ طباعت دیدہ زیب۔ قیمت ۱۲ر

فکر و نشاط:- شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کی تازہ نظموں کا مجموعہ۔ فکر کی پیچ در پیچ گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے نشاط کی سرسبز وادیوں کی سیر کیجئے۔ مجلد عہ

جدید دستور کا خاکہ:- جناب زین العابدین صاحب بی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) کے انگریزی پمفلٹ The New Constitution کا اردو ترجمہ جناب مولوی شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی بی۔ اے (جامعہ) نے کیا ہے۔ موجودہ سیاسی گتھیوں کے سمجھنے کا بہترین آلہ۔ قیمت ۲ر

بچوں کی کتابیں

دنیا کے بچے:- دنیا کے کوئی چودہ پندرہ ملکوں کے بچوں کے بہت ہی دلچسپ حالات با تصویر۔ قیمت ۴ر

پھندو:- یہ ذرا بڑے بچوں کے لئے ہے۔ بڑے ہی مزے کا قصہ ہے۔ ایک مرتبہ شروع کر دو تو ختم کئے بغیر کتاب ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ قیمت ۳ر

چھوٹا چو:- ایک ننھے منے چوہے کی شوخی و شرارت کی دلچسپ کہانی تصویروں کے ساتھ۔ قیمت ۲ر

درد کے سو شعر

مکتبہ جامعہ نے جیسا کہ اعلان کیا ہے کہ ہر مشہور شاعر کے سو اشعار مرتب کرکے ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کرے گا، اس کے مطابق کوشش بھی کر رہا ہے۔ چنانچہ خواجہ میر درد، نواب مرزا خاں داغ، مومن خاں مومن، کے سو اشعار شائع ہو گئے ہیں۔ اب سو شعر کاسٹ چھپنے کے بجائے تو پر شکل ہے جو یہ ہیں:۔ اصغر کے سو شعر۔ جگر کے سو شعر۔ حسرت کے سو شعر۔ میر کے سو شعر۔ غالب کے سو شعر۔ مومن کے سو شعر۔ داغ کے سو شعر اور درد کے سو شعر۔ ہم یہاں درد کے سو شعر کا دیباچہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

خواجہ میر نام۔ درد تخلص۔ کوچہ چیلاں دہلی کے رہنے والے۔ ولادت ۱۱۳۳ھ وفات ۱۱۹۹ھ۔

آپ کے دادا بخارا سے عہد عالمگیری میں یہاں آئے تھے۔ والد کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب تھا۔ ابتداءً وہ شاہی منصب داروں میں شامل تھے۔ آخر منصب ترک کر کے خواجہ محمد زبیر سے بیعت ہوئے اور یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ان کی تصنیف "نالۂ عندلیب" بہت مشہور ہے جو ظاہری و باطنی رموز سے مالا مال ہے۔

درد نے ابتدائی تحصیل علم اپنے والد سے کی۔ بعد کی تحصیل معلوم نہیں لیکن تصانیف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ معقولات و منقولات تمام علوم میں کامل تھے۔

خواجہ صاحب ابتدائے شباب میں امرائے دربار میں شامل تھے لیکن ۲۹ برس کی عمر میں سب کچھ ترک کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے اور ۳۹ سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ صاحب کو فن موسیقی پر بھی پورا عبور حاصل تھا حتیٰ کہ اس زمانے کے استادان فن حاضر ہو کر غامض نکات حل کیا کرتے تھے۔ مہینے میں دو بار آپ کے مکان پر محفل سماع ہوتی تھی جس میں کبھی کبھی بادشاہ وقت بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ تشریف لائے پاؤں میں درد تھا اس لئے ذرا پاؤں پھیلا دئے۔ خواجہ صاحب کو ناگوار ہوا۔ فوراً ٹوکا کہ یہ چیز فقیروں کے آداب محفل کے خلاف ہے۔ بادشاہ نے معذرت کی تو کہا کہ اگر طبیعت ناساز تھی تو تکلیف کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

اس واقعے سے خواجہ صاحب کے استغنا کا اندازہ ہوتا ہے۔ فطرۃً وہ نہایت مستغنی مزاج اور قانع تھے۔ قدیم تہذیب کی مجسم تصویر تھے اور متانت و سنجیدگی ان کے سراپا سے ٹپکتی تھی۔

خواجہ صاحب نے ۶۶ برس کی عمر میں انتقال کیا اور دلی دروازے کے باہر شاہ جی کے تالاب کے متصل دفن ہوئے۔ آپ کا مقبرہ اور اس کی ملحقہ مسجد اب تک محفوظ ہے اور نئی دہلی کی نئی عمارتوں کے درمیان آ گئی ہے۔ پتہ یہ ہے کہ اجمیری دروازے سے نئی دہلی کو جائیے۔ خاص سڑک کا نام منٹو روڈ ہے۔ اسے میگزین روڈ کاٹتی ہے اس پر بائیں طرف مڑ جائیے۔ تقریباً سو قدم چل کر بائیں جانب کو مقبرہ اور مسجد نظر آئے گی۔ یہیں اردو زبان کے چار ارکین میں کا ایک رکن محو خواب ہے۔

خواجہ صاحب کے صاحبزادے کا نام ضیاء الناصر تھا۔ الم تخلص کرتے تھے۔ میر اثر آپ کے چھوٹے بھائی تھے جو آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ صاحب میر و مرزا کے ہم عصر تھے اور آپ کے شاگردوں میں آپ کے بھائی میر اثر۔ قائم۔ ہدایت اللہ خاں ہدایت۔ حکیم ثناء اللہ فراق اور میر محمدی بیدار بہت مشہور گزرے ہیں۔

متعدد کتابیں آپ کی تصنیف سے ہیں۔ اسرار الصلوٰۃ۔ رسالہ واردات۔ علم الکتاب۔ نالۂ درد۔ درد دل۔ آہ سرد۔ شمع محفل کے علاوہ دیوان فارسی اور دیوان اردو یہ سب کتابیں چھپ چکی ہیں۔

درد چونکہ حقیقی عشق سے آشنا اور جام معرفت سے سرشار تھے اس لئے ان کے کلام میں بھی انتہائی پاکیزگی اور متانت پائی جاتی ہے اور اس پاکیزگی و متانت میں یکسانیت ہے۔ ابتذال کا کہیں شائبہ بھی نہیں ہے۔ آپ نے نہایت سادگی و صفائی سے عارفانہ خیالات کو اردو کا جامہ پہنایا اور اردو شاعری میں "مذاق صحیح" پیدا کیا۔ اس کے علاوہ تصوف کے حقیقی رنگ نے آپ کے کلام میں خلوص اور گداز پیدا کر دیا ہے۔ یہی آپکے کلام کی خصوصیت ہے۔ آپ کا دیوان اگر ایک طرف بیان محبت ہے تو دوسری طرف اخلاق درس اور حکمت و معرفت کے رموز سے لبریز ہے۔ اور آپ کا انداز بیان عجیب والہانہ ہے جسے صاحب دل کی آواز سے تعبیر کرنا زیادہ صحیح ہے۔ جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ ایک واقف کار درد آشنا کی حیثیت سے لکھا ہے۔ سنی سنائی بات پر آپ کا حصر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپکے کلام کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہے اور اس کی معصومیت اور گھلاوٹ اپنا نقش کئے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ مولانا عبدالحق صاحب فرماتے ہیں "درد ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے سلاست و فصاحت زبان کے ساتھ اخلاقی مضامین اور صوفیانہ خیالات کی چاشنی دی ہے۔ کلام میں درد ہے۔ بیان میں جدت و تازگی ہے"۔

موجودہ اُردو شاعر

ہم پروفیسر فیض احمد صاحب کا یہ مضمون جو ریڈیو پر پڑھا گیا ہے اختصار کیساتھ اربابِ ذوق ادب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

موجودہ اردو شعرا دو بڑے گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا گروہ اُن شعرا کا ہے جو پرانے طرز یعنی غزل کے پابند ہیں۔ انہیں ہم روایتی شعرا کہیں گے۔ دوسرے گروہ میں وہ شعرا شامل ہیں جنہوں نے شاعری میں نئی راہیں اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم انہیں تجرباتی شعرا کے نام سے پکارنا چاہتے ہیں۔ آج ہمیں چند روایتی شعرا یعنی ریاض، جلیل، فانی اور حسرت کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ان شعرا کے کلام پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم موجودہ روایتی شاعری کے تاریخی پس منظر کا مختصر سا تجزیہ کر لیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے زمانے سے ذرا پہلے غزل پر ناسخ اور ذوق کی حکومت تھی، اور وہ چند لفظی اور معنوی رسموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ مغلقانہ مضمون آفرینی اور بے جان لفظی صنعتیں ہر غزل کی زینت سمجھی جاتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد سماج کے دماغ کو دھچکا سا لگا اور لوگ جذباتی تسکین کی تلاش کرنے لگے۔ اسی ماحول سے متاثر ہو کر داغ اور غالب نے پرانی رسموں کے خلاف دو مختلف طریقوں سے بغاوت کی۔ داغ نے پرانی رسموں اور زندگی کے روزمرہ کے تجربات کے درمیان ایک مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن داغ کے تجربات میں وسعت اور گہرائی کم تھی۔ اس لئے مفاہمت میں الفاظ ہی کا پلہ بھاری رہا چنانچہ داغ کی شاعرانہ عظمت اُس کے مضامین کی وجہ سے نہیں اُس کی زبان کی وجہ سے قائم ہے۔ لیکن داغ نے شاعرانہ زبان کی نوعیت تبدیل کر دی یعنی اسے اپنے مضامین کی طرح سلیس اور بے ساختہ کر دیا۔ جب شعر کے آخر میں لطف سے کوئی موزوں قافیہ آ گیا اور شعر کے الفاظ منہ سے بولتے ہوئے معلوم ہوں تو پڑھنے والے کو ایک خوشگوار اچنبھا سا ہوتا ہے۔ اور داغ کی شاعری ہمیشہ یہی تاثر پیدا کرتی ہے۔ داغ کا مضمون عاشقانہ معاملہ بندی احساس کے وہ شوخ لوازمات ہیں جنہیں بن کر نوابوں کی طبیعت پھڑکتی ہے اور عوام کا دل بہلتا ہے۔

غالب زیادہ حساس تھے اور اُن کے دماغ میں تفکر کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ انہوں نے میر اور درد کا گہرا جذباتی خلوص دوبارہ تازہ کیا اور شاعری میں مجرد یا فلسفیانہ خیالات داخل کئے جو ماحول کی وجہ سے اکثر یاس انگیز ہیں۔

غالب نے اپنے یاس انگیز ماحول کی ترجمانی کی اور داغ نے اپنی شوخی اور رنگینی سے اس یاس انگیزی کا دل بہلایا۔ اس زمانہ میں داغ کو غالب کی نسبت کہیں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ لوگ ماحول کو بھول جانا چاہتے تھے۔ داغ کا رنگ اتنا ہر دلعزیز ہوا کہ امیر مینائی جیسے ٹھیٹھ لکھنوی شاعر بھی رنگین مضمون آفرینیاں چھوڑ کر داغ کی شوخ معاملہ بندیوں کا چربہ اتارنے لگے۔ لیکن نقل اصل کو نہ پہنچ سکی۔

داغ اور امیر اسکول کے موجودہ نمائندے ریاض اور جلیل ہیں۔ ان دونوں کی شاعری میں وہی فرق ہے جو داغ اور امیر کی شاعری میں۔ ریاض کا کلام، داغ کی معاملہ بندی، سلاست اور بے ساختگی کا نمونہ ہے۔ جلیل کی شاعری میں ناسخ اور امیر کے ابتدائی زمانے کی مضمون آفرینی، پیچیدہ خیالی اور لفظی بازیگری زیادہ نمایاں ہے۔ پہلے ریاض کو لیجئے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ داغ کے عاشقانہ مضامین میں گہرائی بہت کم ہے۔ ریاض کے متعلق یہ بات اور بھی صحیح ہے۔ اگر زبان کا چٹخارہ موجود نہ ہو تو آپ کے کلام کا بیشتر حصہ بیکار محض ہو جائے۔ داغ کی شوخی ریاض میں لطیفہ بازی بن گئی ہے۔

ریاض کے اکثر اشعار میں بھی کسی گہرے شاعرانہ جذبہ کا پتہ نہیں چلتا۔ محض ظرافت پائی جاتی ہے جس سے طبیعت گدگداتی ضرور ہے۔ دل پر چوٹ نہیں لگتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ریاض میں اچھے شعر بالکل مفقود ہیں۔ جہاں کہیں مضمون جدت یا خلوص کی وجہ سے زبان کی بلندی تک پہونچ گیا ہے ریاض کے شعر پرواز کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

نثارِ جل کی راتیں اُس ایک ساعت پر
ہم انتظار میں تیرے ہوئے اور تُو آئے

کوئی منہ چوم لیگا اِس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

خمار آلود آنکھوں پر ہزاروں میکدے قرباں
وہ کافر بے پئے بھی رات دن مخمور رہتا ہے

جلیل:- جلیل کو دو وجوہ کے سبب ممتاز شاعر سمجھا جاتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ امیر مینائی کے مستند جانشین ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو دربارِ دکن میں معزز منصب حاصل ہے۔ آپ کا کلام پڑھ کر قدرے مایوسی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آپ شاعری کے ایک ایسے رسمی اسلوب کی نمائندگی کرتے ہیں جس سے ہمارے ذہن نا آشنا ہو چکے ہیں۔ لفظی صنعتوں خصوصاً ایہام کی اتنی بھرمار ہے کہ طبیعت کو کوفت ہونے لگتی ہے۔ اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مژہ کی پھانس سا چبھنے سے مزہ پورا نہیں آتا
یہ نوکِ حکر تیر ہوتی، تیر دل کے پار ہو جاتا

ہمارا طائرِ دل مرغِ دست آموز ایسا ہے
جو تم چمکارتے، چٹکی بجاتے یار ہو جاتا

سامنے تیغ کے مقتل میں نہ ٹھہرے اغیار
سندی کھایا کے منہ پر کبھی کھائی نہ گئی

یہ اپنے لکھنؤ اسکول اور امیر کا ابتدائی رنگ ہی ہے۔ اگر جلیل اس رنگ میں اچھے شعر نہیں نکال سکے تو یہ اُن کا قصور نہیں۔ اس رنگ میں اچھے شعر لکھے جا ہی نہیں سکتے۔ جلیل کبھی کبھی اسے خود بھی محسوس کرتے ہیں اور داغ کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں کوئی سیدھا سادا مضمون داغ کی بے ساختہ زبان میں بندھ گیا ہے اشعار رواں اور موثر ہوگئے ہیں۔

اب ہمیں ایک ایسے شاعر کا تذکرہ کرنا ہے جس کے کلام میں داغ کی زبان اور میر و غالب کا جذباتی خلوص دونوں موجود ہیں۔ ہماری مراد حسرت موہانی سے ہے۔ حسرت کی دانشمندی یہ تھی کہ انہوں نے اپنا کلام صرف ایک ہی مضمون یعنی جذبۂ عشق تک محدود رکھا۔ موجودہ زمانے کے دوسرے غزل گو شعرا کی طرح نہ فلسفہ بازی کی، نہ تصوف کا منہ چڑایا۔ الفاظ کی موسیقیت اور بے ساختگی، جذبات کی گہرائی اور تنوع اور جسمانی حسیات کی تفسیر یہ حسرت کی خصوصیات کلام ہیں۔ اور زبان کے معاملہ میں وہ داغ کی پیروی کرتے ہیں۔ حسرت مضامین کی گہرائی یا نزاکت کو الفاظ کی ظاہری چمک دمک پر قربان نہیں کرتے۔ حسرت کے کلام کی قیمت اُن کی زبان کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن پر خلوص جذباتی تجربات کی وجہ سے ہے جن کا اظہار اُن کی شاعری کی جان ہے۔ اُن کی مخصوص خوبی یہ ہے کہ اُنکے طریقِ اظہار میں صرف سوزی نہیں عمق اور باریکی بھی ہے۔ وہ جذبۂ عشق کی

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۷ کالم اوّل)

فردوس الحکمت

یہ کتاب فن طب پر عربی زبان میں بن الحسن علی بن ابن الطبری نے متوکل علی اللہ کے زمانہ میں تصنیف کی۔ پوری کتاب سات حصوں پر منقسم ہے جس میں تیس مقالے اور تین سو ساٹھ باب ہیں۔ اس کتاب کو لکھتے وقت مصنف نے قدیم سریانی اور لاطینی زبانوں کے مواد پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہندوستان کی مشہور کتب چرک، سسشرت، نگھنٹو، نداتہ استنگ سردیا وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اگر اس کتاب کو غور و خوض کے ساتھ اول سے آخر تک پڑھا جائے تو بقراط، جالینوس، دلفراودس، ارسطاطالیس بطلیموس، ابیقراطیس، ارکاناتیس، افلاطون وغیرہ کے طبی مسائل بآسانی ذہن نشین ہو جائیں۔ متوکل علی اللہ کے زمانہ میں کتب خانہ عباسیہ میں جس قدر کتب اور رسائل طبیہ موجود تھے ان کا مصنف نے نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا اور اپنی ذاتی قابلیت کی بنا پر طبی جواہر پاروں کو اس کوزہ کے اندر بند کر دیا۔ ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی نے مختلف کتب خانوں کے نسخوں سے اپنے نسخہ کو ملا کر برلن میں شائع کیا۔ اس کے ابتدا میں ایک نہایت ہی عالمانہ مقدمہ تحریر فرمایا جس میں مصنف کے تاریخی حالات تمدن کتاب کے متعلق مختلف و متضاد خیالات ایک جگہ جمع کر کے پڑھنے والے کو صحیح راستہ پر پہونچانے کی کوشش کی۔ اصل کتاب میں ابتدائے طب کے اصول کلیہ جنس کی نشوونما، بچوں کی پرورش، موسموں کی تدابیر اور اطباء کے اقوال جمع کرنے کے بعد ہر ایک عضو کے امراض کو نہایت ہی جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں خواص اشیاء، افعال و خواص ادویہ، طریقہ حفاظت اشجار و نباتات، بدل و منافع عقاقیر اور سموم کو بیان کیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں بخاروں کے علاج، ارواح کے تغیرات، ادویہ مرکبہ بنانے اور محفوظ کرنے کے طریقے اور خاص خاص مجربات تحریر فرمائے ہیں۔

(بسلسلہ صفحہ ۵)

جذباتی کیفیت کے علاوہ اس کے وسیع تر اثرات کو بھی سمجھتے ہیں۔

حسرت کی شاعری کے حیاتی یعنی Sensuous پہلو پر ابھی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ حیاتی شاعری کے علمبردار اختر شیرانی اور اسکول کے زوال پسند شاعر ہیں لیکن اس میدان میں پہلا قدم حسرت ہی نے بڑھایا تھا۔

حسرت کی شاعری ایک شدید جذباتی تجربہ کا اظہار ہے اس تجربے کے جذباتی انحطاط کی وجہ سے اُن کی شاعری بھی زوال پذیر ہو چکی ہے۔ حسرت اب بھی شعر کہتے ہیں لیکن آج کل ان کا کلام محض تبرکاً پڑھا جاتا ہے۔ موجودہ غزل گو شعراء میں فانی بدایونی کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کے کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کے متعلق ایک مستقل زاویہ نگاہ موجود ہے۔ غزل گو ہونے کے باوجود آپ کے خیالات باربط و مسلسل ہیں۔ نقص صرف یہ ہے کہ آپ اپنی یاس پسندی کی نمائش بہت زیادہ کرتے ہیں۔ البتہ فانی کے متعلق محض یاس پسندی کی شکایت بجا نہیں کیونکہ یہ چیز بس انسان خود پیدا نہیں کرتا۔ موجودہ معاشرتی اور اقتصادی ماحول کسی طرح بھی امید افزا نہیں خصوصاً اس سفید پوش طبقے کے لئے جس سے شعراء تعلق رکھتے ہیں چنانچہ جہاں کہیں فانی نے اس عالمگیر یاس پسندی کا اظہار متین اور محتاط الفاظ میں کیا ہے بہت خوب ہے۔ کیونکہ ان میں ایک ایسے دکھ کا تذکرہ ہے جس میں ہم سب شریک ہیں۔ یاس پسندی کے علاوہ فانی غالب کی طرح حیات و ممات کے فلسفیانہ نکات بھی بیان کرتے ہیں اور آپ نے ان معاملات کو غالب ہی کی زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ عرصہ سے آپ کا یہ رجحان ترقی پر ہے۔ لیکن اس میدان میں بہت سے شعراء کی طرح آپ قطعاً ناکامیاب ہیں۔

(پرنٹرو پبلشر محمد حفیظ الدین نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)



زیرِ ادارت: ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی،

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی طرف سے رسالہ تقریباً ۱۲ سال سے شائع ہو رہا ہی اور اپنے بلند پایہ علمی مضامین کے باعث ملک میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی۔

رسالہ جامعہ ایک خالص علمی رسالہ ہے۔ حتی الوسع اس کی ترتیب میں عام مذاق کے سوقیانہ مضامین سے جنھیں غلطی سے ادبِ لطیف کا نام دیدیا گیا ہی احتراز کیا جاتا ہی۔ اس میں بیشتر عمرانی مضامین جو ملک کے بہترین دماغوں کے فکر و تدبر کا نتیجہ ہوتے ہیں شائع کیے جاتے ہیں۔ ادبی مضامین بھی بغرض تسکین ذوق شائع ہوتے ہیں جو بیشتر تنقیدی ہوتے ہیں۔ اور ہر پرچے میں ایک غزل ضرور ہوتی ہے جو کسی استاد کی ہوتی ہے۔ اس قسم کے مستقل مضامین کے علاوہ سیاسیاتِ حاضرہ پر رفتارِ عالم کے زیرِ عنوان، ہندوستان ممالکِ اسلامی اور ممالکِ غیر کے متعلق ایسے جامع نوٹ ہوتے ہیں جن کے مطالعے سے بین الاقوامی سیاست کا پورا نقشہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

پرچہ ۷ جز کا ہوتا ہے جس میں تقریباً سو صفحے ہوتے ہیں "چندہ ۵ سالانہ"

مکتبہ جامعہ دہلی